Date of Publication: 16-03-2013 PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 17-18 March 2013
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

22-28 March 2013
Issue: 12, Vol.:72

۲۲ تا ۲۸ / مارچ ۲۰۱۳ء
شمارہ نمبر: ۱۲، جلد نمبر: ۷۲

معاشی حالات حصولِ تعلیم کی راہ میں بڑی رُکاوٹ

عتیق مظفر پوری (A-81، جوشی کالونی، آئی۔ پی۔ ایکسٹینشن، منڈاولی، دہلی-110092)

پہلے تعلیم یا پیسہ۔ کچھ لوگ اس بحث کو بھی پہلے مرغی یا انڈا جیسا عقدہ قرار دیتے ہیں جو آج تک حل نہیں ہو پایا۔ آج کے دور میں جب کہ تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم ہی نہیں بنیادی اور عصری تعلیم بھی پیشے کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے۔ اچھے اور معیاری پبلک اسکولوں میں بچوں کو داخل کرانا جوئے شیر لانے کے مترادف بنتا جارہا ہے۔ بڑی بڑی فیس اور ڈونیشن کے باوجود اچھے پبلک اسکولوں میں بچوں کو داخلہ دلانے کے لیے والدین کو لوہے کے چنے چبانے پڑ رہے ہیں۔ اس سوال کو خارج از بحث قرار نہیں دیا جاسکتا کہ پہلے تعلیم یا پیسہ۔ پیسے کے بغیر تعلیم ممکن نہیں۔ ایسے میں مالی اعتبار سے پس ماندہ اور کمزور طبقات خاص طور پر مسلمانوں کو حصول تعلیم کی جو تلقین کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ تعلیم کے بغیر ترقی ممکن نہیں ہے۔ یا تعلیم ہی مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ہر حال میں تعلیم حاصل کرنی چاہیے، کیسے ممکن ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ ایک بار حصول تعلیم کے کچھ داعی ایک ایسے شخص کے یہاں پہنچے جن کے پاس چار لڑکے تھے مگر ان میں سے کوئی پڑھنے نہیں جاتا تھا۔ داعیان تعلیم نے بچوں کے والد کو تعلیم کی اہمیت و افادیت بتاتے ہوئے ان سے اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے مکتب بھیجنے کی درخواست کی۔ تھوڑے توقف کے بعد بچوں کے والد انتہائی متانت کے ساتھ بولے، دیکھیے میں معذور ہو چکا ہوں، کوئی کام نہیں کرسکتا، میرے بچے بیڑی کے کارخانے میں کام کرتے ہیں، ہر بچہ بیس روپے یومیہ کما کر لاتا ہے جس سے ہمارے گھر کا چولہا جلتا ہے۔ آپ ایسا کریں دس روپے روز کے حساب سے ہمیں دے دیں اور ان بچوں کو جہاں چاہیں لے جائیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہم لوگ دو وقت کے بجائے ایک وقت کھا کر گزارہ کرلیں گے۔ یہ سن کر تعلیم کی تبلیغ کرنے پہنچے لوگوں کے اوپر ایک طرح کا سکتہ طاری ہوگیا، جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

جاہ و حالی کی چکا چوند اور رنگینیوں میں زندگی بسر کرنے والوں کو شاید یہ بات آسانی سے ہضم نہ ہو پائے، اس لیے کہ یہ ہمارے معاشرے کی ایسی تلخ حقیقت ہے جو کسی بھی حساس آدمی کے منہ کا ذائقہ خراب کرسکتی ہے۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں ایک دو نہیں ایسے لاکھوں کنبے ہیں جن کے گھر کا چولہا بچوں کی کمائی سے جلتا ہے۔ یہ بچے چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں اور ڈھابوں میں میزیں صاف کرکے، جھوٹے برتن دھو کر، زری اور سوٹ کیس کے کارخانوں میں ہیلپر کا کام کرکے والدین کی پرورش کرتے ہیں، اپنے گھر کی روزی روٹی کا انتظام کرتے ہیں، بہنوں کی شادی کے لیے پیسہ جمع کرتے ہیں، بیمار اور معذور والدین کے علاج کا بندوبست کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ماں کا دودھ چھڑانے کے بعد ہی ان بچوں کو کام کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جس معاشرے کے حالات اس درجہ ابتر ہوں اس معاشرے کے افراد پر اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کی تلقین کا کیا اثر ہوگا۔ بھلے ہی یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن ہمارے اسلاف خاص طور پر علمائے کرام اور ملت کا درد رکھنے والے مخیر حضرات اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے اس تلخ حقیقت کے پیش نظر ملک میں مدارس کا جال بچھایا تھا، جہاں آج بھی بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ اتنا ہی نہیں بعض مدارس تو، سنا ہے کہ ایسے بچوں کی پوری کفالت بھی کرتے ہیں۔

بہرحال یہ ایک الگ موضوع ہے، اس پر کسی دوسرے مضمون میں تفصیل سے گفتگو ہوگی کہ مدارس کا وجود کیوں ضروری ہے یا انھیں اپنے نصاب میں وقت اور حالات کے مطابق کس طرح کی تبدیلی لانی چاہیے۔ آج کا موضوع یہ تھا کہ پہلے تعلیم یا پیسہ۔ یعنی مسلمانوں کو ترجیحی بنیاد پر کس چیز کے حصول کی

'ہماری زبان' کے خریداروں سے درخواست

ہفت روزہ 'ہماری زبان' کے خریداروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے سلسلے میں درج ذیل معلومات (جو دستیاب ہوں) مع خریداری نمبر جلد از جلد مہیا کرادیں:

(۱) فون نمبر (آفس اور گھر)
(۲) موبائل نمبر
(۳) فیکس نمبر
(۴) ای میل
(۵) ویب سائٹ

(ادارہ)

دہلی کے غازی پور میں واقع مچھلی مارکٹ کے نام کو تبدیل کرنے کے سلسلے میں مناسب کارروائی کی جائے گی

دہلی کی وزیر اعلا کے اڈیشنل سکریٹری کا انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی کو مکتوب

انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے دہلی کے غازی پور میں واقع مچھلی مارکٹ کو اردو شاعر اور عظیم مجاہد آزادی شہید اشفاق اللہ خاں کے نام منسوب کرنے پر سخت احتجاج کرتے ہوئے دہلی کی وزیر اعلا محترمہ شیلا دکشت کو خط لکھ کر مطالبہ کیا تھا کہ مچھلی مارکٹ کے بجائے ان کے شایانِ شان کوئی یادگار قائم کرکے انھیں خراج عقیدت پیش کیا جائے۔ انھوں نے اپنے خط میں اس عمل کو اردو شاعر اور عظیم مجاہد آزادی کے تئیں انتہائی ہتک آمیز بھی قرار دیا تھا۔ خوشی کی بات ہے کہ دہلی حکومت نے اس کا نوٹس لیا اور دہلی کی وزیر اعلا شیلا دکشت جی کے اڈیشنل سکریٹری ڈاکٹر پوجا جوشی نے ڈاکٹر اطہر فاروقی کو خط لکھ کر مطلع کیا ہے کہ اس سلسلے میں حکومتِ دہلی مناسب کارروائی کرے گی۔

کوشش کرنی چاہیے کیوں کہ جہاں یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ تعلیم کے بغیر ترقی ممکن نہیں، وہیں اس تلخ حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پیسے کے بغیر ایسی تعلیم نہیں حاصل کی جاسکتی جو ترقی یا پیسے کمانے کا ذریعہ بنتی ہے۔

دراصل یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، جسے عام طور پر بحث یا گفتگو کے دوران خلط ملط کردیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس ایسے غیر سرکاری ادارے (این جی او) یا تنظیمیں نہیں ہیں جو مسلمانوں کی کاؤنسلنگ کرسکیں۔ جب حصول تعلیم کی بات ہوتی ہے تو اس کا مطلب صرف اور صرف تعلیم ہوتا ہے، جو ہر شخص کے لیے لازمی ہے، جس کی احادیث میں تلقین کی گئی ہے۔ اس تعلیم کو تکنیکی یا پیشہ ورانہ تعلیم سے نہیں جوڑنا چاہیے، اس لیے کہ جہاں تک تکنیکی یا پیشہ ورانہ تعلیم کی بات ہے تو وہ بھی صرف پیسے سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اس کے حصول کے لیے پیسے کے ساتھ بچے کے اندر ذہانت اور ٹیلنٹ بھی ہونا چاہیے۔ جس طرح پیسے سے مہنگی دوائیں تو خریدی جاسکتی ہے، صحت نہیں۔ بیشتر پیسے سے مہنگے اور معیاری اسکولوں میں داخلہ تو دلایا جاسکتا ہے مگر تعلیم نہیں حاصل کرائی جاسکتی۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو اچھے اور مہنگے پبلک اسکولوں میں پڑھنے والے سارے بچے ہی ڈاکٹر، انجینئر یا آئی اے ایس، آئی پی ایس بنتے، مگر ایسا نہیں ہے۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ آج بھی ہمارے ملک میں اعلا تعلیم حاصل کرنے والے بچوں میں سرکاری اسکولوں کے پڑھے ہوئے بچوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ ابھی حال ہی میں ایسی دو خبریں اخبارات کی شہ سرخیوں میں شامل رہیں کہ غریب رکشہ ڈرائیور کی بیٹیوں نے سی اے (چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ) کے امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ اس لیے مسلمانوں کو یہ سوچ کرکے مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو اعلا تعلیم کیسے دلاسکتے ہیں۔ وہ صرف تعلیم دلانے کی فکر کریں۔ اگر ان کے بچوں میں ٹیلنٹ ہوگا تو وہ خود ہی اپنی منزل حاصل کرلیں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مسلمانوں کے لیے حصول تعلیم تشویش کا موضوع نہیں۔

ملی تنظیموں کو مسلمانوں کے مسائل حکومت وقت اور سیاسی جماعتوں کے سامنے پیش کرنے کے ساتھ ہی ایسے ذی شعور اور صاحب ثروت افراد کا گروپ (این جی او کی طرز پر) تیار کرنا چاہیے جو ان افراد کی رہنمائی اور مدد کے تعلق سے لائحہ عمل تیار کرے جو اپنے بچوں کو اس لیے اسکول یا مکتب نہیں بھیج سکتے کہ وہ ان کی روزی روٹی کا ذریعہ ہیں۔ گزشتہ دنوں جب یہ خبر آئی کہ حکومت نے اقلیتوں کے بجٹ میں تقریباً پانچ چھ سو کروڑ کا اضافہ کیا ہے، ان ہی دنوں یہ روح فرسا خبر بھی پڑھنے کو ملی کہ بجٹ میں اضافے سے کیا فائدہ جب کہ اس سے پہلے بجٹ میں دی گئی رقم ہی پوری طرح خرچ نہیں ہو پائی تھی۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کے پاس وافر تعداد میں ایسے ادارے یا افراد بھی نہیں ہیں جو مسلمانوں کی رہنمائی کرسکیں کہ ان کے لیے حکومت نے جو بجٹ مختص کیا ہے اس سے کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے، کس طرح بچوں کو میٹرک سے قبل یا بعد کے وظائف دلائے جاسکتے ہیں اور کیسے اقلیتی طلبہ اعلا تعلیم کی کوچنگ کے لیے سرکار سے فیس لے سکتے ہیں۔ بیشتر معاملات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بچوں یا ان کے والدین کو اس بات کا علم ہی نہیں ہوتا کہ حکومت کا ایسا کوئی محکمہ ہے جو اقلیتی طلبہ کے کوچنگ کی بھی فیس ادا کرتا ہے۔ اگر کسی کو علم ہوتا بھی ہے تو مناسب رہنمائی کی کمی کے سبب وہ اسے حاصل کرنے کی ہمت نہیں کرپاتا۔ خاص طور پر چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبات کے طلبہ تو تقریباً پوری طرح ہی ایسی اسکیموں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ملی تنظیموں اور ملت کا درد رکھنے والوں کو اس سمت میں خاص طور پر غور و خوض کرنا چاہیے۔ صرف نوکر شاہی کو ذمہ دار ٹھہرانے سے بات نہیں بنے گی، اسے ایک قومی فریضہ سمجھ کر انجام دینا ہوگا۔ جس طرح ہم کم علم یا بغیر پڑھے لکھے لوگوں کو دین سے واقف کرانے کے لیے گاؤں اور قصبات کی سطح پر مذہبی جلسے کرتے ہیں، محفل میلاد کا انعقاد کیا جاتا ہے، اسی طرح ہمیں مسلمانوں کو ان معاملات کے تعلق سے بیدار کرنے کے لیے جلسے کرنے ہوں گے، دینی باتوں کے ساتھ یہ بھی بتانا ہوگا کہ انھیں اپنے اور اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے کیا کیا کرنا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا ہے اور ہم اخبارات و رسائل میں اپنے بیانات شائع کرکے ملت کے غم میں آنسو بہاکر مطمئن ہوجاتے ہیں تو تعلیم اور ترقی کی باتیں محض باتیں ہوکر رہ جائیں گی، اس کا قوم کو وہ فائدہ نہیں ہوگا جس کی آج ضرورت ہے۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد آج بھی اعلا تعلیم تو دور کی بات رہی بنیادی تعلیم سے محروم ہے اور اس میں بھی ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جو اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے کی عمر میں کام کے لیے بھیجنے کو مجبور ہے، جس کے سامنے روزی روٹی تعلیم سے بڑا مسئلہ ہے۔ اسے حصول تعلیم کی راہ میں سب سے بڑا رخنہ کہا جاسکتا ہے۔ ہم سب کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

(بہ شکریہ راشٹریہ سہارا دہلی، ۱۷؍مارچ ۱۳)

ooo

پہلی قسط

سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن کی غالب شناسی

(غالبؔ مدح و قدح کی روشنی میں)

کلیم صفات اصلاحی (دارالمصنفین شبلی اکادمی، پوسٹ بکس نمبر19، شبلی روڈ، اعظم گڑھ 276001)

ہندوستان میں غالب شناسوں کی ایک طویل فہرست ہے، اس میں بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے غالب اور ان کی شاعری پر ایسی بیش بہا، قیمتی اور گراں قدر تحقیقات پیش کیں جنھوں نے غالب کے ساتھ ان کے نام کو بھی زندۂ جاوید کردیا۔ غالب کے مشکل اشعار اور بظاہر دو غیر مربوط مصرعوں میں دور کی کوڑی سے ربط پیدا کرکے انھوں نے ایسی دل نشیں توضیح و تشریح اور ایسے معانی و مفاہیم بیان کیے جہاں تک عام ذہنوں کی رسائی مشکل تھی، اس لیے یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ غالب کی شاعرانہ عظمت اور بلندی کے پیچھے ان مفسرین و شارحین غالب کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔ غالب فہمی کی اس روایت کو اگر فروغ نہ ملتا تو غالب کو شاید وہ مقام نہیں مل پاتا جس پر وہ آج فائز ہیں، ان محققین کی کاوشوں، محنتوں اور جاں ماریوں کا اہل اردو نے اعتراف کیا مگر غالب شناسوں کی اس فہرست میں ایک اہم اور باوقار نام سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی جانب وہ توجہ بھی نہیں دی گئی جو ان سے کم رتبہ محققین کو حاصل ہوئی۔ 'غالب مدح و قدح کی روشنی میں' سے ان کی غالب فہمی اور غالب شناسی میں ان کے مرتبہ و مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اس کے اصل محرک سیماب اکبرآبادی کے صاحبزادے مدیر 'شاعر' اعجاز احمد صدیقی صاحب تھے جو غالب پر 'شاعر' کا نمبر نکالنا چاہتے تھے۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (۱۹۱۱-۸۷ء) نے شعر و ادب، علم و تحقیق اور فکر و فن کے گیسو سنوارنے میں اپنی پوری زندگی صرف کی، ان کا تحقیقی و تنقیدی ذوق نکھرا ہوا تھا، ان کے اسلوب بیان کی سادگی و دلکشی، لفظوں پر گرفت، تفہیم و ترسیل مدعا پر قدرت، اظہار رائے میں سنجیدگی و متانت، مترادفات کا خوب صورت استعمال اور سب سے بڑھ کر نثر نافع لکھنے کا فن ان کی تقریباً تمام تصنیفات اور تحریروں کا اصلی جوہر ہے اور جو تحریر ان خصوصیات کی حامل ہوگی وہ یقیناً پائیدار اور مصنف کے نام کو زندہ رکھنے کی ضامن ہوگی۔ شعر و ادب اور تحقیق و تنقید سے ان کی گہری دل چسپی کے متعلق ان کے انتقال کے بعد آنے والی سب سے پہلی تحریر میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی (سابق ناظم دارالمصنفین) نے درج ذیل خیالات ظاہر فرمائے ہیں:

''شعر و ادب اور تحقیق و تنقید سے ان کو گہرا شغف رہا، ابتدا ہی میں انجمن ترقی اردو (ہند) سے دیوان فغاں مرتب کرکے اپنے مقدمے کے ساتھ شائع کیا، 'غالب مدح و قدح کی روشنی میں' لکھ کر اپنی تنقیدی بصیرت کا ثبوت دیا، اقبال کے افکار و نظریات اور فلسفۂ شاعری پر بڑے باوزن مضامین لکھے اور مختلف اردو شعرا کے کلام پر بھی ان کی نگارشات 'معارف' میں شائع ہوئیں، فارسی شعر و ادب پر ان کی گہری اور اچھی نظر تھی، امیر خسرو ان کے محبوب شعرا میں تھے، ان پر کئی کتابیں لکھیں جو آج علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کا اچھا ماخذ ہیں۔''[1]

غالب جیسی شعری و ادبی شخصیت کے بارے میں کچھ نئی بات کہنا، نئی چیز پیش کرنا بالکل ویسے ہی ہے جیسے دریائے علم و تحقیق میں غوطہ زن و مستغرق ہوکر گوہر آبدار نکالنا۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن اس مشکل مرحلے سے واقف تھے، چناں چہ دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں:

''غالب پر کچھ لکھنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی، آسان اس لیے کہ غالب پر اتنا کچھ لکھا جاچکا ہے کہ جو چاہے اس کے انبار سے کوئی چیز نکال کر کچھ نہ کچھ پیش کرسکتا ہے مگر

غالب کے متعلق نئی چیز پیش کرنا آسان نہیں بلکہ بہت مشکل ہے۔"

اسی احساس نے سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کو غالب کا نئے انداز سے مطالعہ کرنے پر مجبور کیا کہ غالب پر ان کے زمانے تک جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا جائے، غالب پر اپنی نوعیت کا یہ منفرد مطالعہ ہوگا اور ممکن ہے کچھ مزید نئے پہلو بھی اہل نظر کے سامنے آ جائیں گے۔

دارالمصنفین کے فضلا وعلامہ سید سلیمان ندوی وغیرہ کی علمی اور مستحسن روایت یہ رہی تھی کہ جب وہ کسی موضوع پر داد تحقیق دیتے تھے تو اس کا سلسلہ 'معارف' میں شروع کر دیتے تھے، اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوتا کہ علمی حلقوں میں ان کے علمی وتحقیقی کاموں کی صدائے بازگشت پہنچ جاتی تھی، دوسرے اس پر محققین کے مثبت اور منفی آراء سے آگاہی بھی مل جاتی تھی جس کے نتیجے میں انھیں اپنی تحقیقی سمت پر مزید غور وفکر کا موقع ہاتھ آجاتا تھا، اسی روایت کے مطابق مصنف نے جب اس کا آغاز 'معارف' کے صفحات میں کیا تو سب سے پہلے دارالمصنفین کے بڑے قدرداں اور اردو زبان کے صاحب کمال ادیب ونقاد جناب رشید احمد صدیقی نے نہ صرف اس پر خوشی ظاہر کی بلکہ خط لکھ کر اس سلسلے کو جاری رکھنے کی درخواست بھی کی اور مصنف سے علی گڑھ کی ہر ملاقات میں اس کی بابت گفتگو ضرور کی۔ ان کی اس دلچسپی کو دیکھ کر مصنف نے ان سے اس پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش بھی کر ڈالی، مگر اسی دوران رشید صاحب کا انتقال ہو گیا اور ان کا مقدمہ کتاب کی زینت نہ بن سکا، تاہم خط کے ذریعے اس کی مقبولیت کا مژدہ سنا دیا تھا۔ سید صباح الدین صاحب لکھتے ہیں:

"اس اثنا میں علی گڑھ جب گیا تو جناب رشید احمد صدیقی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ زیادہ تر میری زیر تصنیف کتاب پر گفتگو کرتے، فرماتے کہ یہ کتاب شائع ہوئی تو یونیورسٹیوں میں غالب کی مدح وقدح کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی اور اقبال کامل کی طرح مقبول ہوگی۔"

کتاب چھپ کر شائع ہوئی تو اس کو مقبولیت بھی حاصل ہوئی اور غالبیات میں اس کو مفید اضافہ قرار دیا گیا۔ ڈاکٹر خورشید احمد نے اس کے مشمولات پر تجزیاتی نگاہ ڈالتے ہوئے لکھا:

"مرزا کے معاصرین میر محمد خاں سرور سے عزیز لکھنوی تک نے غالب کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ ریکارڈ پر یقیناً موجود ہے لیکن بہت سے قارئین پر یہ سارا مواد پہلی بار سید صباح الدین عبدالرحمن ہی کی محنت سے منکشف ہوا بلکہ جو اہل نظر اس مواد کی لخت لخت تفصیلات سے واقف بھی تھے ان کے لیے بھی اس کا یوں مرتب صورت میں یکجا سامنے آنا بصیرت افروزی سے خالی نہ تھا"۔

آگے لکھتے ہیں:

"سید صباح الدین کی یہ کوشش تالیف محض بھی نہیں، انھوں نے غالب شناسی اور غالب شکنی کی منتشر دستاویزات کی بہم آوری اور تنسیق و ترتیب پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ جابجا ذاتی محاکمہ کرکے 'تنقیدوں پر تنقید اور تبصروں پر تبصرہ' بھی فرمایا ہے، اس تبصرہ و محاکمہ سے اختلاف رائے تو ممکن ہے لیکن اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں بلکہ نگاہ غور سے دیکھیں تو یہ کتاب اختلاف رائے ہی کا احترام سکھاتی ہے، سید صاحب نے غالب کی مدح اور قدح دونوں کو پہلو بہ پہلو جگہ دے کر بین السطور اسی احترام ہی کا سبق دیا ہے جو اختلاف علمی کی آب وہوا کو معتدل رکھنے کے لیے ضروری ہے اور اختلاف ذاتی سے بہت بالاتر ہے"۔

ڈاکٹر شہریار نے لکھا:

"غالب کی حمایت ومخالفت کی ان تمام تحریروں کو یکجا کرنے کے لیے بڑی وسیع النظری مطلوب تھی، سید صباح الدین عبدالرحمن کی اس عالمانہ وسیع النظری اور افادیت ہمیشہ محسوس کی جائے گی، پھر غالب کے حامیوں اور مخالفوں کے خیالات اور تاثرات پر متانت وسنجیدگی کے ساتھ تنقید وتبصرہ کرنا اور بھی مشکل تھا، سید صباح الدین عبدالرحمن کی حیرت انگیز ناقدانہ صحت مندی نے اس امر محال کو ایک کار سہل بنا دیا ہے کمال تحریر یہ ہے کہ وہ خود نہ غالب کے مخالف نظر آتے ہیں اور نہ حامی دکھلائی دیتے ہیں، جس ناقدانہ صبر وتحمل کی انھوں نے مثال پیش کی ہے اس سے تنقید نگاری کی صحت مند اور غیر جانب دار روایت کو توسیع وترقی بھی ہوتی ہے"۔

مذکورہ بالا خیالات ظاہر کرنے والوں کا شمار نہ تو ماہرین غالبیات میں ہوتا ہے اور نہ ہی قابل ذکر غالب شناسوں میں۔ تاہم ان کے یہ تاثرات اس لحاظ سے اہم اور قابل توجہ ہیں کہ سید صباح الدین عبدالرحمن کی غالب شناسی اور ان کی اس کتاب کے حسن وقبح پر رائے زنی اگر کوئی ماہر غالبیات بھی کرتا تو وہی لکھتا جو ان مصنفین نے لکھا ہے۔ اب غالب کے شاعرانہ کمالات واوصاف کے ان پہلوؤں اور محققین غالبیات کے ان خیالات وآرا کا ذکر کیا جائے گا جن کی جانب مصنف نے نشان دہی یا جن کو موضوع بحث بنایا ہے تاکہ صباح الدین عبدالرحمن کی غالب شناسی واضح اور اس میدان میں ان کے مقام ومرتبے کے تعین میں آسانی ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ اپنی نوعیت کے اس منفرد اور وقیع کارنامے کی اصل قدر وقیمت اور اہمیت کیوں اور کیا ہے؟

غالب کے شاعرانہ کمالات پر تبصرہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صباح الدین عبدالرحمن نے کلام غالب اور فکر غالب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا بلکہ غالبیات پر لکھی جانے والی بیشتر اہم تحریروں پر نگاہ ڈالی تھی، انھیں حق تھا کہ وہ غالب کے شاعرانہ کمالات پر اپنی رائے ظاہر فرمائیں۔ زیر تبصرہ کتاب میں جگہ جگہ غالب کے شاعرانہ کمالات پر ان کی پر مغز بحث سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، درج ذیل رائے ان کے اسی وسعت مطالعہ اور غالبیات پر ناقدانہ اور عمیق نظر کی غمازی کرتی ہے۔ ان کا یہ احساس یقیناً قابل لحاظ ہے کہ غالب پر لکھنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ مطالعۂ غالب میں انھیں جس مشکل کا سامنا کرنا پڑا اس کا ادراک کم لوگوں کو ہوا ہوگا، ان کا خیال ہے کہ شعری محاسن کی توصیف وتحسین کے سلسلے میں جو باتیں غالب کی حمایت وموافقت میں کہی جا سکتی ہیں وہی ان کی تنقید و مخالفت میں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ لکھتے ہیں:

"غالب سے متعلق کچھ تحقیق کرنے یا ان کے شاعرانہ کمالات کے سلسلے میں رائے کے اظہار کرنے میں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ اس تحقیق اور اس رائے کے بارے میں ہر شخص کا متفق ہو جانا ممکن نہیں، غالب اور ان کے کلام کی رنگارنگی کی بڑی خوبی یہ ہے کہ جو بات شدت کے ساتھ ان کی حمایت میں کہی جاسکتی ہے وہی ان کی مخالفت میں بھی استعمال ہو سکتی ہے اور جس بات کو اچھال کر ان کی تنقیص کی جا سکتی ہے، وہی ان کے لیے تعریف بن سکتی ہے"۔

مثال کے طور پر طباطبائی نے غالب کے دیوان کے حسب ذیل شعر کو بے معنی اور مہمل قرار دیا ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

طباطبائی کی یہ تنقید نظامی بدایونی کو تفریط نظر آتی ہے، سید صباح الدین صاحب لکھتے ہیں:

"نظامی بدایونی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا طباطبائی کے نزدیک شعر ادائے مطلب سے قاصر ہے وہ فرماتے ہیں شوخی تحریر کا لفظ معنی خیز نہیں ہے، مطلع بنانے کے لیے لایا گیا ہے اس کی جگہ ہستی بے اعتبار یا ہستی پر ملال وغیرہ کی ضرورت تھی تاکہ وجہ ملال اور باعث فریاد کا اظہار ہو جاتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ شوخی کا لفظ نہایت پر مغز اور ان سب معانی پر حاوی ہے، مولانا طباطبائی کا یہ کہنا کہ ہستی کے بدلے شوخی کا لفظ لانے سے قرینہ ہستی کے حذف پر پیدا نہیں ہوا صحیح نہیں ہے کیوں کہ خود پیکر کے لفظ سے جو تصویر کے ساتھ لایا گیا ہے ہستی یعنی روح کا حذف ظاہر ہے اور شعر میں جو استفہام ہے وہ ایک اشارہ ہے... اس لیے اس شعر کو مہمل قرار دینا ظلم ہے"۔

محاکمہ وتجزیہ:

کتاب کا موضوع بلاشبہ اس بات کا متقاضی تھا کہ ماہرین غالبیات کی تنقیدوں اور تبصروں کو خاص طور پر موضوع بحث بنایا جائے چناں چہ زیر نظر تصنیف میں جگہ جگہ تنقیدوں پر تنقید اور تبصروں پر تبصرے کا لطف تو قارئین اٹھا ہی سکتے ہیں ساتھ ہی مصنف کی غالبیات سے دلچسپی اور وسعت مطالعہ کے کمال کا اندازہ بھی کر سکتے ہیں کہ انھوں نے جابجا تنقیدوں اور تبصروں میں محاکمہ وتجزیہ کی صفت پیدا کرکے کتاب کی اہمیت وافادیت بھی بڑھا دی ہے۔ یہ محاکمے اور تجزیے ہی اصلاً اس کتاب کی جان اور ایسے مضبوط اور مستحکم دلائل پر مبنی ہیں کہ ان سے اختلاف بڑی مشکل ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر نیاز فتح پوری کے تبصرے پر سید صاحب کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

نیاز فتح پوری کے تبصرے پر سید صاحب کی رائے:

نیاز فتح پوری صاحب نے اپنے رسالے 'نگار' میں غالب پر آپ کا طویل مقالہ شائع اور اس پر مفید اور دلچسپ تبصرہ کیا، اپنے اس تبصرے میں آپ کی بعض رایوں سے اختلاف کیا، مثلاً آپ کا خیال تھا کہ غالب اپنی شوخی طبع، فطری ذہانت اور شوخ نگاری کے اعتبار سے ممتاز منصب پر فائز ہیں۔ نیاز فتح پوری اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ایک ایسا دعویٰ ہوگا جس کے ثبوت میں نہ کسی دلیل کو پیش کرنے کی ضرورت ہوگی اور نہ ملک میں دو رائیں اس مسئلے پر نظر آئیں گی۔ آگے نیاز صاحب نے غالب کی رندانہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

"دین و مذہب دو بالکل علاحدہ چیزیں ہیں، اول الذکر کا تعلق ایک شخص کے ذاتی اعتقادات سے ہے اور دوسرے کا سوسائٹی سے۔ اس لیے غالب مذہب کے لحاظ سے جو کچھ بھی رہے ہوں لیکن دین کے لحاظ سے ان میں ابن الراوندی، ابوالعلا المعری یا کم از کم علامہ ابن تیمیہ کی روح ضرور کام کر رہی تھی"۔

دین ومذہب کی اس غیر موزوں ونامناسب تفریق اور ابن الراوندی جیسے مذہب بیزار اور ملحد شخص کو ابن تیمیہ جیسے شیخ مذہب کی صف میں کھڑا کرنے اور غالب کو دینی لحاظ سے ابن تیمیہ اور ابوالعلا وغیرہ سے متاثر ہونا یقیناً خلاف حقیقت ہے، سید صباح الدین نے نیاز صاحب کی اس رائے پر مناسب تعاقب کرتے ہوئے ان سے نہ صرف اختلاف کیا بلکہ صحیح اسلامی فکر کی ترجمانی کی ذمہ داری کا فریضہ بھی بہ خوبی انجام دیا ہے اور یہاں تک لکھ دیا کہ دین و مذہب کی یہ تفریق نیاز صاحب کی ذاتی

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو دُنیا

سرکار اردو اساتذہ کی فوری تقرری کا انتظام کرکے اردو طبقے کا اعتماد بحال کرے

نئی دہلی (۱۸ فروری)۔ دہلی سرکار اور وزیر اعلا شیلا دکشت کو اردو میڈیم اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری نہ ہو پانے کا شدت سے احساس ہے۔ سرکار کی کوشش ہے کہ ان اسکولوں میں تعمیراتی کاموں کے ساتھ جلد ہی مستقل اردو اساتذہ کی تقرری کو یقینی بنایا جائے۔ ان خیالات کا اظہار آج گورنمنٹ سروودیہ بال ودیالیہ، چندوی ہاؤس دریا گنج میں سالانہ تقریب کے موقعے پر مقامی ممبر اسمبلی پرہلاد سنگھ ساہنی نے کیا۔ اس موقعے پر اسکول کی میگزین 'پرواز' کا اجرا بھی عمل میں آیا۔

پرہلاد سنگھ ساہنی نے کہا کہ انھوں نے حلقے کے اردو میڈیم اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری کو یقینی بنانے کے لیے اپنی کوششیں تیز کردی ہیں اور وہ ان تمام اسکولوں کے حالات جلد از جلد بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ گنجان آبادی میں ہونے کے سبب ان اسکولوں میں جگہ کی کمی ہے جس کی وجہ سے طلبہ کو وہ تمام سہولت فراہم نہیں کرائی جاسکتی ہیں جن کے وہ حق دار ہیں۔ اس موقعے پر اساتذہ یونین کے سکریٹری اور ماہر تعلیم فرید احمد نے کہا کہ اگر حکومت اور وزیر اعلا اردو اور اردو میڈیم اسکولوں کے لیے واقعی فکرمند ہیں تو انھیں اردو کے اساتذہ کی مستقل تقرری کے فوری احکامات جاری کرنے چاہئیں۔ انھوں نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ متعصب نوکرشاہی وزیر اعلا کے احکامات کو بھی بالائے طاق رکھ دیتی ہے اور ان پر کسی نہ کسی بہانے عمل کو ٹال دیا جاتا ہے۔

اسکول کے پرنسپل جمیل الرحمن نے کہا کہ طلبہ اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے مایوس نہ ہوں کیوں کہ اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کرکے بھی وہ اعلا عہدوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ مشتاق بیگ نے کہا کہ سرکاری اسکولوں کے طلبہ و طالبات کسی بھی طرح پبلک اسکولوں کے طلبہ و طالبات سے کم نہیں ہیں اگر ان کی تربیت ٹھیک ڈھنگ سے کی جائے تو وہ ہر میدان میں ترقی کی منزلیں طے کرسکتے ہیں۔ اس موقعے پر اسکول کے طلبہ نے ثقافتی پروگرام پیش کیے، جسے دیکھ کر پرہلاد سنگھ ساہنی کافی محظوظ ہوئے۔ انھوں نے اس موقعے پر اساتذہ اور ہونہار طلبہ کو شیلڈز، سرٹیفکٹ اور انعامات تقسیم کیے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

معلم اردو سند یافتگان کا احتجاج

جلد از جلد تقرری کا حکم نامہ جاری کرنے کا مطالبہ

لکھنؤ (۹ مارچ)۔ وزیر اعلا اکھلیش یادو نے جس شفقت اور محبت سے بطور ممبر پارلیمنٹ معلمین اردو سے اظہار ہمدردی کی تھی اور سپریم کورٹ میں مقدمہ لڑنے کے لیے مالی مدد بھی کی تھی، جہاں سے معلمین اردو کو کامیابی ملی، آج بھی اسی محبت اور شفقت کی ضرورت ہے کیوں کہ اب وہ خود وزیر اعلا ہیں اور فیصلہ بھی انھی کو لینا ہے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار معلم اردو ایسوسی ایشن اترپردیش کے صدر تاجور احتشام خاں نے کیا۔ وہ سماج وادی پارٹی کے ریاستی دفتر پر جمع معلمین اردو کے دھرنے سے خطاب کررہے تھے۔ سپریم کورٹ سے مقدمے میں کامیابی حاصل کرچکے معلم اردو سند یافتگان نے جلد از جلد تقرری کا حکم نامہ جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ کانپور کے شہر قاضی مولانا محمد عالم رضا نوری کی سرپرستی میں مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ حکومت معلم اردو سند یافتگان کی تقرری کا حکم نامہ جاری کرے۔ مظاہرین نے مشورے دیتے ہوئے اس توقع کا اظہار کیا کہ وزیر اعلا ایک برس مکمل ہونے پر معلمین اردو کی تقرری کا حکم نامہ جاری کرکے سال بھر کی کارکردگی کو مزید بہتر انداز میں عوام کے سامنے لائیں گے۔ مظاہرے میں ریاست کے مختلف اضلاع سے آئے معلم اردو سند یافتگان شامل تھے جس میں عظیم الرحمن، محمد عاصم انصاری، شمیمہ خاتون، عبدالعلیم، عزیز احمد، شبانہ پروین، محمد مصباح الدین، محمد رفیع، امید احمد زیدی، سید ذوالفقار حسین، ارشاد ربانی، صالحہ بانو، بے بی شبانہ، فیض الرحمن، عبدالمعیم خاں، محمد ہارون، مولانا عبدالرحمن، ریحانہ اودھی، ممتاز بیگم، حکمت انصاری، رخسانہ بیگم، منیر احمد، محمد صغیر صدیقی، عبدالصمد، افشاں خانم، رضیہ سلطان، مجاہد حسین، محمد نجیب، محمد طاہر اور تبسم بانو وغیرہ اہم ہیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو میڈیم اسکولوں کو 'کوٹا اسٹون' کے فرش سے زیادہ اساتذہ کی ضرورت

'ایم ایس ڈی پی' کے تحت تزئین کاری پر کروڑوں کا خرچ لیکن اساتذہ کی تقرری کے تئیں کوئی سنجیدہ نہیں

نئی دہلی (۸ مارچ)۔ راجدھانی کے سرکاری اسکولوں خاص طور سے اردو میڈیم اسکولوں میں برسوں سے اساتذہ نہیں ہیں۔ ان اسکولوں میں اساتذہ کی کمی کو پورا کرنے کے لیے دہلی کا ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ قطعی سنجیدہ نظر نہیں آتا، جب کہ دوسری جانب ان اسکولوں میں کوٹا اسٹون کا فلورنگ اور ٹائلیں لگاکر خوب صورت بنانے پر لاکھوں روپے خرچ کیے جارہے ہیں۔ مرکزی وزارت اقلیتی امور کے 'ملٹی سیکٹورل ڈیولپمنٹ پروگرام' کے تحت دہلی کے اردو میڈیم اسکولوں میں تزئین کاری، توسیع اور تعمیر پر تقریباً 25 کروڑ روپے خرچ کیے گئے۔

دہلی کے محکمہ تعلیم کے ذرائع کے مطابق 'ملٹی سیکٹورل ڈیولپمنٹ پروگرام' کے تحت یہ رقم ان اسکولوں میں کلاس کے کمروں میں کوٹا اسٹون کی فلورنگ، برآمدوں کی فلورنگ، بیت الخلا کی تعمیر، چہار دیواری کی تعمیر اور ٹیوب ویل کی بورنگ کے علاوہ عمارتوں کی توسیع پر خرچ کی گئی۔ یہ تمام رقم صرف سرکاری اسکولوں پر ہی خرچ کی گئی، جب کہ سرکار سے امداد یافتہ اردو میڈیم اسکولوں کو مانگنے پر بھی اس اسکیم کے تحت کوئی رقم الاٹ نہیں کی گئی۔ شمال مشرقی دہلی میں جعفرآباد واقع ذاکر حسین میموریل سینئر سیکنڈری اسکول کی عمارت کی تعمیر کے لیے مقامی ممبر اسمبلی چودھری متین احمد نے دہلی سرکار کو تجویز پیش کی۔ اس تجویز کو دہلی سرکار نے مرکز کے پاس بھیج دیا جہاں سے یہ کہہ کر اس تجویز کو نامنظور کردیا گیا کہ یہ اسکیم صرف سرکاری اسکولوں کے لیے ہی ہے۔ اس سلسلے میں ذاکر حسین اسکول کے پرنسپل ڈاکٹر محمد معروف خاں کا کہنا ہے کہ تعلیم کے معاملے میں اس طرح کا امتیاز برتا جانا درست نہیں ہے اور اقلیتی امور کے وزیر کے رحمن خاں کو اس اسکیم کی توسیع کرنی چاہیے تاکہ اس کا فائدہ سرکاری امداد یافتہ اسکولوں کو بھی مل سکے۔ انھوں نے کہا کہ اسے اہم ایشو کو بیوروکریسی پر ہی چھوڑ دیا جانا درست نہیں ہے۔

دہلی اردو موومنٹ کے کنوینر فرید احمد کا کہنا ہے کہ جب اسکولوں میں اساتذہ ہی نہیں ہیں تو اسکول کے کمروں اور دیواروں کو چمکانے اور اسٹون کا فرش بنانے سے کیا حاصل ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ اسکولوں کو ٹائل اور پتھروں سے پہلے اساتذہ کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا کہ سرکار کو چاہیے کہ وہ پہلے بنیادی کام کرے اور اردو میڈیم اسکولوں کے طلبہ کے مستقبل کو تباہ ہونے سے بچانے کے لیے انھیں مناسب تعداد میں اساتذہ اور وقت پر نصابی کتابیں مہیا کرانے کا انتظام کرے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو میڈیم اسکول کھولنے کا وعدہ پورا کیا جائے

سہارنپور (۱۰ مارچ)۔ آج یہاں شاہ مدار پرائمری اسکول میں اردو ٹیچرس ویلفیئر ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ سیمینار میں اکھلیش سرکار کو اس کے وعدے کی یاد دہانی کراتے ہوئے سرکار سے یوپی میں اردو میڈیم اسکول کھولنے کا مطالبہ کیا گیا۔ سیمینار کی صدارت ماسٹر شاہد علی خاں نے اور نظامت شمشاد قمر نے کی۔

ایسوسی ایشن کے صوبائی کنوینر صابر علی خاں نے مہمان خصوصی کے طور پر سیمینار میں شرکت کی۔ دریں اثنا انھوں نے راؤ عبدالستار کو ایسوسی ایشن کا صوبائی جنرل سکریٹری بنائے جانے کا اعلان کیا۔ سیمینار میں اظہار خیال کرتے ہوئے ایسوسی ایشن کے ذمہ داران نے گزشتہ پانچ برسوں کی اپنی کارکردگی پیش کی اور اردو کے فروغ میں اپنی جدوجہد کا ذکر کیا اور اردو کی تعلیم میں آرہی رکاوٹوں میں سرکار کی طرف سے وقت پر نصاب مہیا نہ کرائے جانے کا شکوہ کیا اور کہا کہ نصاب کے وقت پر نہ ملنے کی وجہ سے اردو کے طلبہ کی تعلیم میں رخنہ پڑتا ہے اور تعلیمی سال پورا ہونے تک نصاب مکمل نہیں ہو پاتا۔ سیمینار میں وقت پر اردو کے نصاب کو فراہم کرانے کے مطالبے کے علاوہ سماج وادی پارٹی کے انتخابی منشور میں اردو میڈیم اسکول کھولے جانے کا وعدہ پورا کرنے اور جہاں اسکول میں اردو پڑھنے والے بچے ہیں ان کے لیے اردو اساتذہ کی تقرری اور معلم اردو سند یافتگان کی بحیثیت اردو ٹیچر تعینات کرنے کا اردو ٹیچرس ویلفیئر ایسوسی ایشن کے ذمہ داران نے اردو کے فروغ کے عزائم کا اظہار کرتے ہوئے محبان اردو کو اپنے بچوں کو اردو کی تعلیم دلانے، اردو رسائل، جرائد اور اخبارات خریدنے کے لیے توجہ دلانے اور نجی اسکولوں میں بھی اردو کی تعلیم کے لیے مہم شروع کرنے کا فیصلہ لیا ہے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اسکولوں میں اردو اساتذہ کی کوئی کمی نہیں!

اردو میڈیم اسکولوں کے حوالے سے دہلی اسٹیٹ اقلیتی کمیشن کے مکتوب میں دہلی سرکار کے محکمۂ تعلیم کا مضحکہ خیز دعویٰ

نئی دہلی (۹ مارچ)۔ دہلی کے کسی بھی اردو میڈیم اسکول میں اردو اساتذہ کی کوئی قلت نہیں ہے بلکہ جتنی اسامیاں منظور ہیں اس سے زیادہ اساتذہ کی تقرری کی ہوئی ہے۔ یہ مضحکہ خیز دعویٰ دہلی سرکار کے ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ نے دہلی اقلیتی کمیشن کو پیش اپنے اعداد و شمار میں کیا ہے۔ ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ نے اعداد و شمار کی بازی گری دکھاکر گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

معتبر ذرائع کے مطابق ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ ۲۰۱۰ء تک محکمہ کے ذریعے ٹی جی ٹی (اردو) کی 100 اسامیاں منظور تھیں، جب کہ ۲۰۱۰ء میں ہی ان میں 100 ٹی جی ٹی (اردو) کا اور اضافہ کیا گیا جس کے بعد یہ تعداد کل 262 ہوگئی۔ ان 262 اسامیوں کے مقابلے کل 306 اساتذہ کی تقرری کی ہوئی ہے۔ اس تعلق سے محکمہ تعلیم نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان 306 اساتذہ

اردو میں نصابی کتابیں اپریل تک دستیاب کرادی جائیں گی

پٹنہ (۲۶ رفروری)۔ وزیر تعلیم پی کے شاہی نے کونسل میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یقین دہانی کرائی ہے کہ اردو میڈیم کے طلبہ وطالبات کو اس سال اپریل تک کتابیں ہر حال میں دستیاب کرادی جائیں گی۔ انھوں نے یہ بات اس وقت کہی جب جے ڈی یو کے ممبر محمد ہارون رشید نے کہا کہ گزشتہ سال درجہ ایک سے آٹھ تک کے اسکولی بچوں کو اردو میں کتابیں وقت پر نہیں ملی تھیں۔ وزیر تعلیم نے تسلیم کیا کہ گزشتہ سال کتابوں کی چھپائی میں دیر کی وجہ سے وقت پر بچوں کو کتابیں نہیں دی جاسکی تھیں۔ اس بار حکومت نے پہلے سے ہی اس کا انتظام کرلینے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ بچوں کو اپریل ہی میں کتابیں مل جائیں۔ ایک دوسرے سوال کے جواب میں پی کے شاہی نے کہا کہ مقررہ تنخواہ پر بحال ہوئے ٹیچروں کو یوٹی آئی کی مدد سے پنشن دی جائے گی۔ یہ منصوبہ اس سال جنوری سے شروع ہوگیا ہے اس کے لیے اب تک 60 ہزار ٹیچروں نے فارم بھرا ہے اس منصوبے کے تحت ٹیچروں کو 200 روپے جمع کرانا ہے۔ حکومت اپنی جانب سے 200 روپے جمع کرے گی۔ پی کے شاہی نے اپوزیشن لیڈر پروفیسر غلام غوث کے سوال کے جواب میں کہا کہ جامعہ اردو علی گڑھ ایک باوقار تعلیمی ادارہ ہے جس کا قیام ملک کے اول وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا تھا۔ پہلے اس ادارے کی سند کو این سی ٹی ای کی منظوری بھی حاصل رہی ہے۔ ایسے سند یافتہ امیدواروں کا بطور اساتذہ تقرر بھی ہوتا رہا ہے، لیکن بعد میں این سی ٹی ای نے مقررہ پیمانے پر کھرا نہ اترنے کی وجہ سے جامعہ اردو علی گڑھ کی سند کو تربیت یافتہ امیدوار کی حیثیت سے دیے جانے سے منع کردیا۔ ریاستی حکومت چاہتی ہے کہ جامعہ اردو علی گڑھ کی سند کی بنیاد پر ٹیچروں کے تقرر کی اجازت دی جائے۔ این سی ٹی ای کے نئے ایکٹ کا حوالہ دے کر ایسا کیا جاسکتا ہے۔ ریاستی حکومت اردو ٹیچروں کے تقرر کے معاملے میں بہت سنجیدہ ہے۔ ڈپٹی چیئرمین سلیم پرویز بھی جامعہ اردو علی گڑھ کے سند یافتہ امیدواروں کے تقرر کے لیے بے حد فکرمند ہیں اور پروفیسر غلام غوث کے اس سوال پر شروع ہی سے عملی اقدام میں خصوصی دلچسپی لے رہے ہیں۔ وزیر تعلیم نے یقین دہانی کرائی کہ ڈپٹی چیئرمین سلیم پرویز اور اپوزیشن لیڈر پروفیسر غلام غوث کے مشترکہ تعاون سے حکومت اس مسئلے کو ضرور حل کرائے گی تاکہ نوکری سے ہٹائے گئے ڈیڑھ سو سے زائد لوگوں کو راحت ملے۔ (آزاد ہند، کلکتہ)

اک دیا اور بجھا

لکھنؤ۔ اردو، فارسی اور عربی ادب کے معروف اسکالر اور شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی کے سابق صدر پروفیسر شمس تبریز کا حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے ۱۹ رجنوری ۲۰۱۳ء کو اچانک انتقال ہوگیا۔ مرحوم کی عمر تقریباً 62 سال تھی۔ مرحوم دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلما میں ریسرچ فیلو کی حیثیت سے کئی سال کام کیا جہاں انھوں نے کئی اہم کتابیں لکھیں اور کتابوں کے ترجمے بھی کیے، جس میں 'تاریخ ندوہ' اور 'نقوش اقبال' (ترجمہ روائع اقبال) اہمیت کی حامل ہیں۔ پروفیسر شمس تبریز ۱۹۸۲ء میں لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے وابستہ ہوئے تھے۔ عربی زبان وادب کی تدریس کے ساتھ انھوں نے تحقیق وتصنیف کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ مرحوم کا آبائی وطن بھوجپور (بہار) ہے۔ انھیں عربی زبان و ادب کی خدمات کے اعتراف میں صدر جمہوریہ ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ مرحوم کے پس ماندگان میں بیوہ کے علاوہ ۳ بیٹے اور ۴ بیٹیاں شامل ہیں۔ مرحوم کی تدفین کھدرا میں واقع قبرستان تکیہ تاران شاہ میں عمل میں آئی۔ نماز جنازہ مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی نے پڑھائی۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

میں 69 اساتذہ دہلی سرکار کے محکمہ تعلیم کے مستقل ملازم ہیں جب کہ 74 گیسٹ ٹیچر، 66 کانٹریکٹ ٹیچر (سروشکشا ابھیان) اور 103 اردو اکادمی سے بھیجے گئے اساتذہ ہیں۔ ان اعداد وشمار کی بنیاد پر محکمہ تعلیم نے دعویٰ کیا ہے کہ راجدھانی میں واقع 21 اردو میڈیم اسکولوں میں سے کسی بھی ایک اسکول میں اردو اساتذہ کی کمی نہیں ہے۔ محکمے کا کہنا ہے کہ چاہے گیسٹ ٹیچر ہو یا 'سروشکشا ابھیان' یا پھر اردو اکادمی کسی بھی شکل میں اساتذہ کی تعداد پوری کی گئی ہے۔ محکمہ تعلیم کا کہنا ہے کہ کچھ اسکولوں میں کانٹریکٹ یا گیسٹ ٹیچر کے ملازمت چھوڑ دینے کی وجہ سے تعداد میں تبدیلی واقع ہوسکتی ہے۔ دہلی سب آرڈینیٹ سروس سلیکشن بورڈ (ڈی ایس ایس ایس بی) کے ذریعے نئی تقرریوں کے تعلق سے محکمہ تعلیم نے اقلیتی کمیشن کو وضاحت کی ہے کہ ڈی ایس ایس ایس بی نے 43 اسامیوں کے لیے اپریل، مئی ۲۰۱۲ء میں امتحان منعقد کیا تھا جس کا رزلٹ آنا ابھی باقی ہے۔ اس کے علاوہ ڈی ایس ایس ایس بی نے مزید 42 اسامیوں کے لیے ۲۰ دسمبر ۲۰۱۲ء اور ۱۳ فروری ۲۰۱۳ء کو اشتہار جاری کیا اور اب جلد ہی امتحان منعقد کیا جائے گا۔ پرموشن کوٹا کی 80 سیٹوں کو بھرنے کے تعلق سے محکمے کا گول مول جواب ہے کہ انھیں (ڈی ایس ایس ایس بی کو) رولز کے مطابق پُر کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ اقلیتی کمیشن کو بھیجی اپنی اس وضاحتی دستاویز میں محکمہ تعلیم نے اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اس نے گیسٹ اساتذہ کا تقرر کب کیا تھا اور انھوں نے تعلیمی سیشن کے دوران کل کتنے دن کام کیا۔ اس تعلیمی سیشن کے دوران راجدھانی کے اردو میڈیم اسکولوں میں تقریباً پورا تعلیمی سیشن گزار دینے کے بعد دسمبر اور جنوری میں گیسٹ اساتذہ مہیا کرائے گئے جن کی میعاد اسی ماہ ختم ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ سروشکشا ابھیان کے تحت کام کرنے والے کانٹریکٹ ٹیچر بھی کم تنخواہ کے سبب پوری یکسوئی اور سنجیدگی سے کام نہیں کرتے اور کہیں اچھا جاب مل جانے پر درمیان میں ہی چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ اردو والے دہلی سرکار سے مسلسل یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ اردو میڈیم کے طلبہ کے مستقبل کو عارضی، کانٹریکٹ اور گیسٹ اساتذہ کے ہاتھوں میں نہ سونپ کر محکمہ تعلیم کے ذریعے ہندی اور سنسکرت وغیرہ زبانوں کی طرح ہی اردو اساتذہ کا تقرر بھی کیا جائے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کسی بھی ہندی، سنسکرت یا دیگر زبان کے ٹیچر کے ریٹائر ہوتے ہی فوراً اس کی جگہ پر نئی تقرری کا عمل شروع کر دیا جاتا ہے لیکن اردو کے ساتھ یہ تعصب مسلسل برتا جارہا ہے کہ اردو کے کسی ٹیچر کے ریٹائر ہونے یا اس کے ترقی ہو جانے کے بعد خالی سیٹ پر نئی تقرری نہیں کی جاتی اور گیسٹ ٹیچر یا اردو اکادمی کے اساتذہ سے ہی کام چلایا جاتا ہے۔ اپنی اس جانبداری پر شرم محسوس کرنے کے بجائے محکمہ تعلیم دیدہ دلیری سے یہ کہہ رہا ہے کہ اردو میڈیم کے کسی بھی اسکول میں اردو اساتذہ کی کوئی قلت نہیں ہے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

دہلی اردو اکادمی کا ۲۰۱۲ء کی بہترین کتابوں پر انعامات کا اعلان

نئی دہلی (۹ رمارچ)۔ اردو اکادمی دہلی کی طرف سے آج سال ۲۰۱۲ء کی ان بہترین کتابوں کا اعلان کردیا گیا جنھیں ۲۰۱۲ء کے اکادمی انعام کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کا انتخاب اردو اکادمی کی ایوارڈ کمیٹی، گورننگ سب کمیٹی اور ایگزیکٹیو کمیٹی کی مشترکہ میٹنگ میں کیا گیا جس کی صدارت اکادمی کے وائس چیئرمین پدم شری پروفیسر اختر الواسع نے کی۔ میٹنگ میں سات ہزار روپے کے انعام کے لیے 9 اور پانچ ہزار روپے کے انعام کے لیے 11 کتابوں کا انتخاب کیا گیا جب کہ اردو اکادمی کو کل 36 کتابیں موصول ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں منشی نول کشور انعام کے لیے عرشیہ پبلی کیشنز کو نامزد کیا گیا۔ یہ انعام سال کے بہترین ناشر کے لیے ہے اور اس کے تحت سات ہزار ایک سو روپے کا انعام دیا جاتا ہے۔

قابل ذکر ہے کہ عرشیہ پبلی کیشنز نے انعام کے لیے کوئی درخواست نہیں دی تھی لیکن کمیٹی کے فاضل اراکین نے ان کے سال گزشتہ کے اہم اور وقیع کام کے لیے انھیں اس انعام کا مستحق پایا۔ جن کتابوں کو سات ہزار روپے کے لیے انعام دیا جائے گا ان میں 'بکھتے لمحوں کا دھواں' (پی. پی. شریواستو رند)، 'غالب کے گھر شادی' (منظور حقانی)، 'زدِ حسیم سے نزہت، عشق کی بستی ہے' (حنیف ترین)، 'ہندی سنیما میں مسلم اداکار' (غیاث الرحمن)، 'سرگوشیاں' (برج ناتھ بیتاب)، 'تاریخ یونانی المعروف بہ کلیات فرہنگ' (ڈاکٹر مظہر احمد)، 'تیرے لیے' (مینکش امروہوی)، 'قلندر ہوتا ہے' (سلیم صدیقی)، 'پیروڈی کا فن' (اقبال وحید) شامل ہیں جب کہ جن کتابوں کو پانچ ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا ان میں 'موذیکانیاں' (زاہد علی خاں اثر)، 'ہر چہ بادا باد' (مظفر عدیم)، 'ستاروں کی آخری منزل' (انجم عاطر)، 'مچھلی پیٹ کے کارنے' (خورشید اکرم)، 'آزادی کے بعد اردو سفرنامہ' (سعید احمد)، 'سردار شاہی' (عمر رضا)، 'جہان سائنس' (محمد نیم اختر)، 'اردو نصاب اور مدارس' (توقیر راہی)، 'سائبر دنیا میں اردو' (مظفر حسین)، 'حسن ظلم' (حسین امروہوی) اور 'کیوں اور کیسے' (ناظمہ پروین) شامل ہیں۔ تمام انعام یافتگان کو ہر سال کی طرح اس سال بھی اردو اکادمی کے نشان (میڈل) اور سرٹیفکٹ سے بھی نوازا جائے گا۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

گوال پوکھر دو نمبر بلاک میں ایک بھی اردو جونیئر گرلس ہائی اسکول نہیں

چکلیہ، مغربی بنگال۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ گوال پوکھر بلاک نمبر دو (چکلیہ) کثیر اردو بولنے والی آبادی پر مشتمل ایک بلاک ہے، نئی حکومت کے تحت اس بلاک میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ مل چکا ہے یہاں تک کہ بائیں محاذ کے دور میں بھی نام نہاد نوٹیفکیشن کے ذریعے یہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ مل چکا تھا لیکن المیہ ہے کہ ۲۰۰۸ء میں مذکورہ بلاک میں کل 4 گرلس جونیئر ہائی اسکول کا قیام عمل میں آیا اور یہ تمام جونیئر گرلس ہائی اسکول ایک خاص ذہن کو سامنے رکھ کر سب کے سب بنگلہ میڈیم کے تحت قائم کیے گئے، جہاں اردو میڈیم بچیوں کا داخلہ یہ کہہ کر نہیں لیا جاتا ہے کہ یہ اسکول بنگلہ میڈیم اسکول ہے۔ یہاں اردو ٹیچر کی بحالی نہیں ہوئی ہے لہٰذا اردو میڈیم بچیوں کا داخلہ لینا ممکن نہیں۔ غور طلب ہے کہ چکلیہ بازار کا جونیئر گرلس ہائی اسکول بھی اس زمرے میں آتا ہے۔ مذکورہ گرلس ہائی اسکول چکلیہ ہائی اسکول کے احاطے میں صبح 6 بجے سے 10 بجے تک چلتا ہے۔ جب اس اسکول کے قیام کا معاملہ سامنے آیا اور داخلے کی بات جب چلی تو اسکول کے قیام کے لیے ایک مقررہ تعداد میں داخلے کے لیے اس وقت یہ نہیں دیکھا گیا تاکہ کون بچی بنگلہ میڈیم سے ہے اور کون اردو میڈیم سے ہے۔ منظوری ملنے کے بعد تک اس اسکول میں کل 150 اردو میڈیم بچیاں زیر تعلیم تھیں۔ ۲۰۱۲ء آتے آتے ایک منظم سازش کے تحت تمام اردو بچیوں کو T.C. یہ کہہ کر دیا گیا کہ یہ اسکول بنگلہ میڈیم ہے اور چوں کہ اس اسکول میں اردو میڈیم ٹیچر کی بحالی نہیں ہوگی چنانچہ سبھی اردو سرپرست اپنی اپنی بچیوں کا داخلہ ایسے اسکولوں میں کرالیں، جہاں اردو میڈیم اساتذہ درس دیتے ہیں۔ نمائندہ 'آزاد ہند' جب مذکورہ جانکاری کی تصدیق کے لیے چکلیہ جونیئر گرلس ہائی اسکول پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ فی الحال اس اسکول

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : مکتوبات شبلی
تالیف و ترتیب : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
ضخامت : ۲۶۰ صفحات
قیمت : ۲۵۰ روپے (مجلد)
ملنے کا پتا : دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ۔۲۷۶۰۰۱، یوپی
تبصرہ نگار : عبدالحمید نعمانی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تصنیفی، تالیفی اور تدوینی و تحقیقی فتوحات کا جو سلسلہ جاری ہوا ہے، زیر تبصرہ کتاب اس کی ایک کڑی ہے۔ وہ اصل انجوبہ سے مکتوبات شبلی تک درمیانی مراحل کو بہتر طور سے طے کرتے ہوئے پہنچ چکے ہیں۔ گزشتہ دنوں اسی صفحے پر ان کی کتاب مفید 'کتابیات شبلی' پر تبصرہ کیا جاچکا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کئی لحاظ سے مطالعۂ شبلی کے در وا کرتے ہوئے اندرون میں جھانکنے کی دعوت دیتی ہے اور ایک خاص سطح پر مخصوص جگہ کھڑے ہوکر مختلف جہتوں سے روبرو کراتی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی دو جلدوں میں مرتب کردہ 'مکاتیب شبلی' اور دیگر مجموعہ ہائے مکاتیب، شبلی شناسی میں بلا شبہ بڑے معاون ہیں، لیکن اس مجموعۂ مکتوبات نے شبلی شناسی کی راہ مزید ہموار کردی ہے۔ مختلف شخصیات جو متنوع افکار و اذواق کی حامل تھیں، کے نام مکاتیب، حیات شبلی کے ایسے گوشے بھی سامنے لاتے ہیں جو ابھی تک پوری طرح آ جانے میں نہیں تھے، ان مکاتیب نے ایک بار پھر ان لوگوں کو غلط ثابت کیا ہے، جو شبلی کو محض ایک روایتی مولوی باور کرتے کراتے ہوئے اپنی معاندانہ تنقید و نکتہ چینی کا نشانہ بناتے ہوئے ایک مخصوص قسم کی لذت و مزا اٹھاتے رہے ہیں۔ علامہ شبلی کی بہت سی باتوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے اور اختلاف کیا بھی گیا ہے، لیکن ان کی شخصیت اور فکر و کردار کو ایک مخصوص رنگ یا کم کرکے پیش کرنا انصاف و دیانت کے منافی ہے۔ تحریک ندوہ میں بھی ان کو حصہ جتنا بھی ہی چاہیے اور تاریخ کو اپنی اصلی شکل میں پیش کیا جانا چاہیے۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ تاریخ صرف شیریں آب حیات ہی نہیں، زہر کا پیالہ بھی ہے، لیکن جس کا جو درجہ، مقام ہے وہ انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کے واسطے ملنا چاہیے۔ خطوط کی ایسی خاصی تعداد ہے، جس میں دارالعلوم ندوہ کو ایک بلند مقام پر لے جانے کی شبلی میں ایک انتہا بے چینی اور تڑپ نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی نے مکتوبات کو کوئی مخصوص اصلاح اور کانٹ چھانٹ کے بغیر اصل شکل میں پیش کرکے علم و آگہی کے طالب علموں کو اصل جگہ تک رسائی کے لیے یہ راستہ فراہم کیا ہے کہ شبلی کے ذہن میں کیا کچھ تھا اور وہ کس طرح سوچتے تھے۔ شبلی ان مردان کار میں سے تھے جو وقت سے پہلے آنے والے وقت کی خبر و شناخت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اعظمی نے خطوط کے تخریج طلب امور کی وضاحت اور مکتوبات الیہم کا تعارف کراکے کتاب کو مفید تر بنادیا ہے۔ اشاریہ دے کر استفادے کی راہ بھی آسان کرنے کے ساتھ کتاب کی معنویت میں اضافہ کردیا ہے۔ انھوں نے جس سلیقے سے مکاتیب شبلی کو شائقین کے سامنے پیش کیا ہے، وہ ان کی قابل قدر محنت و کاوش پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے لیے ڈاکٹر اعظمی قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے شبلی شناسی کے دائرے کو مزید وسیع کیا ہے۔ شبلی کا مطالعہ محض ایک شخصیت کا مطالعہ نہیں ہے، بلکہ ایک عہد اور اس میں جاری افکار و تحریکات کا مطالعہ ہے، اس سے یہ بھی جانا جاسکے گا کہ ملک و ملت کی حالت کیا تھی، دل کے ساتھ دل کی کیفیت کیا تھی، مکاتیب کی شکل میں شبلی نے صرف خود کو ہی آئینے کے سامنے کھڑا نہیں کیا بلکہ دوسروں کو بھی آئینہ دکھانے کا کام کیا ہے۔ اپنے وقت کی کون سی ایسی چیز ہے جس سے شبلی نے سروکار نہیں رکھا تھا، معاشقے کی داستان میں شبلی کو تلاش کرنا بجز روئے کی ناسمجھی نہیں ہے بلکہ یہ بھی جاننا مفید ہے کہ انھوں نے چاند کا نظر نہ آنے والا حصہ بھی دکھانے کی کوشش کی ہے، اس کے سامنے والے حصے کو دکھانا کوئی بڑا کمال نہیں ہے۔ بہت سے لوگ پہلے بھی اور آج بھی اشیا کی دوسری طرف دکھانے کی کوششوں کو سمجھ نہیں سکے ہیں۔ شبلی وہ بھی تھے جو نظر نہیں آتا تھا، وہ صرف اتنا ہی نہیں تھے جتنا کہ روایتی قسم کے تعلیمی اداروں میں نظر آتا ہے۔ اس کی طرف ان کے مکاتیب واضح طور سے اشارے کرتے ہیں، اگر چاند اور زمین کا مخالف حصہ بھی نظر میں ہو تو عطیہ فیضی جیسے کردار سے مخصوص رشتہ دکھانے کا تخیل کوئی زیادہ بامعنی نہیں رہ جاتا ہے۔ شبلی کی شاعرانہ حیثیت اور مشعر العجم کے مصنف کے طور پر دیکھنے کے ساتھ ان کو 'سیرت النبی'، 'الفاروق'، 'سیرت النعمان' اور 'سوانح مولانا روم' کے مصنف کے طور پر بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اپنے خطوط میں شبلی کئی رنگوں میں نظر آتے ہیں، ڈاکٹر الیاس نے مکتوبات شبلی کو سامنے لاکر ان کو مزید دل قریب بنادیا ہے۔ مرتب کتاب نے اسے بہتر سے بہتر بنانے کی اپنی سی پوری کوشش کی ہے۔ جواہر کے ساتھ لعل کا ہی جوڑ بیٹھتا ہے، اس لیے جواہر لعل کو جواہر لال کیسے لکھا جاسکتا ہے، خود پنڈت جی نے لعل ہی لکھا ہے۔ ڈاکٹر اعظمی نے نورالدین قادیانی کے بارے میں لکھا ہے کہ تفصیل دستیاب نہیں، ان کے حالات زندگی پر مرقاۃ الیقین اور حیات نور مستقل کتابیں کے علاوہ قادیانی لٹریچر اور اس کے رد میں لکھی جانے والی تحریروں میں خاصی تفصیلات ملتی ہیں۔ حکیم نورالدین مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفۂ اول کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں کمپوزنگ کی غلطیاں بھی در آئی ہیں، مثلاً الم یولف بالم یصنف ... 'کو الم یصنف' لکھا گیا ہے (ص ۲۳)، حدیث کی مشہور کتاب تلخیص الحبیر (از حافظ ابن حجر عسقلانی) کو تلخیص۔ الجبرا لکھا ہے (ص ۲۷)، ملحوں کو ملعون (۲۱۵)، نظارۃ المعارف کو نظارۃ المعارف (۲۰۱)، مولانا آزاد کی وفات کا سنہ ۱۹۵۸ء کے بجائے ۱۹۵۶ء (۹۳)، اوجار کو اجار، تاریخ راجستھان کو تقسیم راجستھان (۷۸) کمپوز کردیا گیا ہے۔ ۲۶۰ صفحات کی کتاب میں اس طرح کی کتابت یا کمپوزنگ کی غلطیاں کوئی معنی نہیں رکھتی ہیں، ان کو آئندہ ایڈیشن میں بآسانی دور کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک 'مکتوبات شبلی' کی بات ہے تو وہ بذات خود ایک مفید اور لائق مطالعہ کتاب ہے۔

○○○

نام کتاب : غزل نامہ
شاعر : تابش مہدی
صفحات : ۱۴۴ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ملنے کا پتا : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵-
تبصرہ نگار : ڈاکٹر سید معصوم رضا عشروی

اردو میں غزل کے اسیر شعرا کی فہرست طویل ہے، ہر دور میں غزل کی ستائش کرنے والے شعرا کی ایک جماعت گیسوئے غزل کو سنوارنے میں سرگرم نظر آتی ہے۔ عصر حاضر کے جن شعرائے کرام نے غزل کو اپنی شاعری کا ذریعہ بنایا ہے اس میں تابش مہدی کا نام نہیں ہے۔ تابش مہدی نے بڑی سنجیدگی سے نعت گوئی کا سفر شروع کیا اور اپنا ایک منفرد مقام بنایا لیکن غزل کی رنگینی نے انھیں بھی اپنے حصار میں لے لیا۔ تابش مہدی نے اردو غزل میں 'غزل نامہ' کے عنوان سے جو اضافہ کیا وہ ان کی انفرادیت کی ترجمانی ہے۔ 'غزل نامہ' تابش مہدی کی غزلوں کا مجموعہ ہے لیکن اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں شامل تمام غزلیں، غزل یا لفظ کے ردیف میں کہی گئی ہیں جو ایک مسلسل شاعری کی تمثیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ کسی بھی شاعر کے لیے صرف ایک لفظ کو بطور ردیف استعمال کرنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ دشوار کن مرحلہ ہے۔ تابش مہدی نے اپنی فن ورانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور اس مشکل کام کو آسان کرکے 'غزل نامہ' کے عنوان سے قاری کے حوالے کردیا۔ غزل میں تصویر کے عنوان سے رباب رشیدی کا تاثراتی مضمون شامل ہے، اس کے علاوہ 'غزل سے غزل نامہ' تک کے عنوان سے سید ذیشان حامدی کا تفصیلی مضمون بھی شامل ہے۔ کور پیج پر ڈاکٹر احمد محفوظ اور پروفیسر اختر الواسع کے تاثرات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

تابش مہدی نے 'غزل نامہ' میں اپنی منتخب 60 غزلیں شامل کی ہیں جس میں نہ صرف تخیل کی بلند پروازی ہے بلکہ اس میں فکری بصیرت کے پہلو جابجا نمایاں نظر آتے ہیں، مثلاً:

جن کے ہاتھوں میں تھے ہم کے ساغر ہیں غزل
آج کے عہد میں وہ لوگ سخنور ہیں غزل

تابش مہدی نے غزل کی قصیدہ خوانی میں جابجا غزل کی نوک و پلک کو درست بھی کیا ہے اور غزل کی کرشمہ سازی کے بھی دو نظر آتے ہیں۔ غزل کی معنی اور موضوعاتی خصوصیات کو بھی اجاگر کرنے کی بہترین کوشش کی ہے۔ ان کی غزلیں نہ صرف دل کی ترنگ ہیں بلکہ اس میں سماج و معاشرے کی عکاسی بھی بخوبی نظر آتی ہے۔ لفظی صنعت گری اور لفظوں کے حسن ترتیب کی صرف بات نہیں ہے بلکہ شعر پڑھ کر قاری کو ایک سرور و انبساط کی کیفیت سے گزرنا پڑتا ہے اس کے جذبات و احساسات پر بھی اشعار اثر انگیز ہوتے ہیں۔ 'غزل نامہ' میں عصری شعور و آگہی کے ساتھ ساتھ ادبی کمالات کے پیکر میں ڈھلی ہوئی غزلوں کا امتزاج ہے۔ ملاحظہ ہوں چند منتخب اشعار:

غزل کہنے کو سب کہتے ہیں لیکن
غزل تو واقعی میری غزل ہے

عہد کے کرب و غم کو سمیٹے ہوئے
سامنے روز آتی ہے میری غزل

تیرے لہجے بھی ہیں مختلف، منفرد
مستقل ان سے محوروں میں غزل

حیرت ہے جن کو کچھ بھی شعور غزل نہیں
ان سے بھی لوگ کرتے ہیں فرمائش غزل

جس کو بس اہل چشم بصیرت سمجھ سکیں
ایسی بھی ایک بات ہماری غزل میں ہے

شعر، شعور دیدہ وری، علم و آگہی
سب کچھ ہے میرے پاس مگر کہاں غزل

تابش مہدی کے مجموعہ 'غزل' 'غزل نامہ' کی ہر غزل قاری کو دعوت فکر بھی دیتی ہے اور مطالعے کی دعوت بھی دیتی ہے، خود تابش مہدی نے کئی جگہ اس کا اظہار بھی بخوبی کیا ہے:

نہیں ہے فرق چھوٹے اور بڑے کا
ہر اک دل کی نوا میری غزل ہے

یقینا ہے جب بھی پڑھنے کو کوئی قاری غزل
اس پر کردیتی ہے کیفیت عجب طاری غزل

مجموعی طور پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ 'غزل نامہ' میں تابش مہدی نے غزل کے باطنی اوصاف کے جتنے حسن و خوبی کا ذکر کیا ہے اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں، انھوں نے غزل کو غزل کے پیکر میں ڈھال کر اس کے حسن کو نکھار کر اس کی صورت و سیرت کو سنوار کر قاری کے حوالے کردیا ہے۔ 'غزل نامہ' اپنے باطن کے ساتھ ظاہری حسن سے بھی آراستہ ہے، کمپوزنگ صاف ستھری، طباعت عمدہ اور دیدہ زیب ہے۔ امید کہ قاری غزل کے اس تجربے کی ستائش بھی کریں گے اور داد و تحسین سے بھی نوازیں گے۔

○○○

بقیہ: سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن...

صفحہ ۳ سے آگے

اثر اور مذکورہ تینوں اشخاص کے صحیح مقام و مرتبے سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

"(نیاز صاحب) اپنی طبیعت کے اقتضا سے مجبور تھے، اس لیے ادبی رنگ میں ان کی نیش زنی جاری رہی چناں چہ غالب کے کلام پر اظہار رائے کرتے ہوئے دین و مذہب کو علاحدہ چیزیں قرار دیں، مذہب اور شریعت میں تفریق کرتے تو صحیح ہوتا لیکن دین و مذہب کی تفریق کر کے ان کی جو تعریف بیان کی ہے وہ ان کی ذاتی اپج ہے، پھر ابن الراوندی، ابوالعلا المعری اور ابن تیمیہ کو ایک صف میں لاکھڑا کرنے کے معنی ہیں کہ وہ ان تینوں میں سے کسی سے بھی واقف نہیں۔ ابن الراوندی کھلا ہوا ملحد، ابوالعلا آزاد مشرب تھا اور ابن تیمیہ اسلام کے بہت بڑے علم بردار بلکہ اس کے مجدد تھے، ابن الراوندی اور ابن تیمیہ کو ایک صف میں کھڑا کرنا ایسا ہی ہے جیسے اکبر اور مجدد الف ثانی کو ایک ساتھ کھڑا کیا جائے۔" ۹

میر اور غالب کی مقبولیت کے متعلق سیّد صاحب کی رائے:

محققین کے نزدیک میر و غالب کی مقبولیت کے سلسلے میں متعدد رائیں ہیں، کسی کے یہاں غالب میر سے زیادہ مقبول ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ میر کی مقبولیت کو کوئی دوسرا شاعر پا نہیں سکتا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے تحقیقی اور ادبی ذوق کے نتیجے میں جس رائے کا اظہار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میر کو غالب سے بڑا شاعر تسلیم کرتے ہیں اور بقول سید صباح الدین یہ ان کی مخلصانہ تحقیق کے سبب ذاتی رائے ہے، اس سے اتفاق ضروری نہیں، اسی طرح نقد غالب میں غالب کی افضلیت پر مہر تصدیق ثبت کی گئی ہے، ان دونوں رایوں کے مطالعے و تجزیے میں صباح الدین صاحب نے جو اپنی رائے حوالۂ قارئین کی ہے وہ بڑی اہم اور دل چسپ ہے، فرماتے ہیں:

"یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ موجودہ دور میں میر سے زیادہ غالب کو مقبولیت حاصل ہے۔ اس میں جہاں غالب کے کلام کی نرالی طرز فکر و احساس اور متنوع تجربات و معانی اور شگفتہ لب و لہجے کی مجموعی خوبیوں کو دخل ہے وہاں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ میر کے ضخیم دواوین کے برخلاف ان کا منتخب کلام لوگوں کے مطالعے میں رہا لیکن آئندہ ان کے پراگندہ، مغلق، مشکل اور نظری کلام کو اکٹھا کر کے ان کا کوئی ضخیم دیوان لوگوں کے سامنے پیش ہوا اور اس کے مطالعے پر اصرار کیا گیا، بہت ممکن ہے غالب کی وہ مقبولیت باقی نہ رہے گی جو آج ان کو حاصل ہے۔" ۱۰

(باقی آئندہ)

☆☆☆

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

میں کل تین استانیاں بنگلہ میڈیم کے تحت درس دے رہی ہیں۔ نمائندہ سے گفتگو کے دوران ان میں سے ایک استانی نے برجستہ یہ کہا کہ بغل میں مدرسہ ہے وہاں پہلے بچیاں اردو پڑھ لیا کریں اور اس کے بعد بقیہ تعلیم چکلیہ ہائی اسکول میں مکمل کریں، اس اسکول میں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ہے چکلیہ جونیر گرلس ہائی اسکول کی استانیوں کا اردو میڈیم بچیوں کے لیے مشورہ۔ افسوس کا مقام ہے اس کے لیے جب سرپرستوں نے مقامی رکن اسمبلی علی عمران سے رابطہ کیا تو انھوں نے بھی کہا کہ فی الوقت اردو استانیوں کی بحالی ممکن نہیں، اس کے لیے ایک لمبی جد و جہد اور وقت چاہیے۔ انھیں اس مشورے کے بجائے مشورہ یہ دینا چاہیے تھا کہ اردو بچیاں ہر حال میں اسی اسکول میں رہیں اور اردو استانیوں کی تقرری کے لیے موثر پہل کی جائے گی لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

اب جب کہ اس اسکول میں اردو میڈیم بچیاں نہیں ہیں اس عالم میں متعلقہ اعلا حکام کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ جب اردو بچیاں ہی نہیں ہیں تو استانیاں کیوں مقرر کی جائیں گی۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ ماضی قریب میں نئی حکومت کے آتے آتے اسلام پور سب ڈویژن میں 19 ہائی اسکولوں کو سہ لسانی فارمولے کے تحت منظوری دی گئی، اگر مقامی رکن اسمبلی چاہتے تو کم سے کم مذکورہ جونیر گرلس ہائی اسکول کو سہ لسانی فارمولے کے تحت منظوری مل سکتی تھی۔ لوگوں کا مطالبہ ہے کہ بلاک کے تحت 6 جونیر گرلس ہائی اسکول سہ لسانی فارمولے کے تحت منظوری دی جائے اور مقامی رکن اسمبلی اس کے لیے اپنی کوشش تیز کریں تاکہ اردو میڈیم بچیاں بھی اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کر سکیں۔

(آزاد ہند، کلکتہ)

مختصر معلومات تاریخِ ولادت و وفات

(مطابق تحریرِ خود بابت ولادت)

نام	ولدیت	تاریخ پیدائش	تاریخ وفات	مدفن
سید عابد حسین	سید حامد حسین	۲۵رجولائی۱۸۹۶ء	۱۳ردسمبر۱۹۷۸ء	جامعہ ملیہ دہلی
راج نرائن راز	لالہ شِو رام	۲۷را کتوبر۱۹۳۰ء		
انور علی خاں منظم	اکبر علی خاں	یکم اپریل۱۹۳۹ء		
امتیاز علی خاں عرشی	مختار علی خاں	۸ردسمبر۱۹۰۴ء	۲۱رفروری۱۹۸۱ء	رام پور
مختار الدین احمد آرزو	محمد ظفر الدین قادری	نومبر۱۹۲۴ء		
محمد ابرار حسین فاروقی	محمد حسین	۳۰ردسمبر۱۸۹۳ء		
خواجہ مسعود علی ذوقی	خواجہ امیر علی	نومبر۱۹۰۴ء		
سید امین اشرف	سید حبیب اشرف	جولائی ۱۹۳۳ء	فروری۲۰۱۳ء	کچھوچھا شریف
خلیل الرحمن اعظمی	محمد شفیع	۹راگست۱۹۲۷ء		
شیخ عبد الرشید	عبد الکریم	۱۸۹۸ء		لاہور
تلوک چند محروم	جگت رام دیال	۱۸۸۷ء	۶رجنوری۱۹۶۶ء	دلی
جگن ناتھ آزاد	تلوک چند محروم	۵ردسمبر۱۹۱۸ء		دلی
نثار احمد فاروقی	تسلیم احمد	۱۹رجون۱۹۳۳ء		
سید عیسیٰ بسمل سعیدی	سعید احمد	۱۹۰۱ء		ٹونک
رگھوپتی سہائے فراق	گورکھ پرشاد	۲۸راگست۱۸۹۶ء	۳رمارچ۱۹۸۲ء	الہ آباد
آنند موہن زتشی گلزار دہلوی	تربھون ناتھ زار	۱۳رجولائی۱۹۲۶ء	حیات	
یوسف حسین خاں	فدا حسین خاں	۱۲رجنوری۱۹۰۲ء	۲۱رفروری۱۹۷۹ء	دلی
گوپی چند نارنگ	دھرم چند نارنگ	یکم جنوری۱۹۳۱ء	حیات	
عبد الحمید	عبد الحبیب	۳۰راپریل۱۹۱۳ء		
محمد طفیل (نقوش)	...عمر الدین	۱۴راگست۱۹۲۳ء	۵رجولائی۱۹۸۶ء	لاہور
رشید احمد صدیقی	عبد القدیر	۲۴ردسمبر۱۸۹۴ء	۱۵رجنوری۱۹۷۷ء	علی گڑھ
آفتاب حسین	ابو الحسن	۱۶رستمبر۱۹۰۹ء		
محمود حسین خاں	فدا حسین خاں	۱۷راگست۱۹۰۷ء	۱۰راپریل۱۹۷۵ء	کراچی
محمد عزیر	محمد ادریس	۱۹۰۳ء		
معین احسن جذبی	احسن المظفر	۲۱راگست۱۹۱۲ء		
اختر انصاری	محفوظ اللہ	یکم اکتوبر۱۹۰۹ء	۵را کتوبر۱۹۸۸ء	علی گڑھ
مشتاق حسین	غلام غوث	۱۴ردسمبر۱۹۰۲ء		

سید مرتضیٰ حسین بلگرامی (فاطمہ منزل، ڈگی روڈ، علی گڑھ)

عابد رضا بیدار	حامد رضا خاں	۳رفروری۱۹۳۴ء	حیات	
صداق فاطمہ (صالی)	غلام الثقلین	۱۰رستمبر۱۹۱۳ء	۸رجنوری۱۹۸۸ء	جامعہ نگر دہلی
غلام احمد فرقت	شوکت علی	۱۲را کتوبر۱۹۱۲ء	۱۲-۱۳رجنوری۱۹۷۳ء	بنارس

مندرجہ بالا تفصیلات میں تاریخ پیدائش (یا وفات) میں اصلاً جو تاریخیں تحریر کردہ (بقلم خود) ہیں اُن میں اور "تذکرۂ ماہ و سال" مرتبہ مالک رام صاحب میں بہت فرق ہے، یہ تضاد کیوں ہے؟ اس لیے کسی ادیب کی خود تحریر کردہ معلومات زیادہ اہم ہوگی، کسی اور طرح کی معلومات کی فراہمی سے۔ بہرکیف، تاریخوں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے، لہٰذا ان اشخاص کی تاریخ پیدائش کو مدِنظر رکھنا اہم ہوگا۔

سید مرتضیٰ حسین بلگرامی۔ علی گڑھ

	نام	ولادت	وفات	صفحہ نمبر
۱-	بسمل سعیدی	۶رجنوری۱۹۰۲ء	۲۶راگست۱۹۶۶ء	۸۴
۲-	گلزار زتشی	۷رجولائی۱۹۲۶ء		۳۴۳
۳-	یوسف حسین خاں	۱۸رستمبر۱۹۰۲ء		۳۱۷
۴-	رام پرکاش ساحر	۱۰رفروری۱۹۱۳ء		۱۸۲
۵-	صالحہ عابد حسین	۱۸راگست۱۹۱۳ء		۲۳۷
۶-	غلام احمد فرقت	جون۱۹۱۰ء		۲۹۶

ان اشخاص کی اپنی تحریر کے مقابلے میں "تذکرۂ ماہ و سال" میں جو تاریخ درج ہیں ان کو مع صفحہ نمبر کے تحریر کر دیا گیا ہے۔ اس تقابلی مثالوں سے فرق تاریخ کی آگہی کی جا سکتی ہے اور صحت بھی!!

○○○

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲ - راؤز ایونیو، نئی دہلی - ۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
http://www.anjumantaraqqiurduhind.org